# احمد ندیم قاسمی کی ادبی زندگی پر ترقی پسند تحریک کے اثرات: تحقیقی جائزہ

ماریہ بلال، ایم فل اردو، لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیال کوٹ، پاکستان
ڈاکٹر محمد عامر اقبال، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیال کوٹ، پاکستان

## ABSTRACT:

The progressive movement emerged as a major movement. This movement played a vital role in the promotion and development of Urdu literature. The movement showed a new path to Urdu fiction, poetry, drama and criticism. His motto was Literature for Life. So the movement acted on it and created such literature. From which the relationship of literature remained connected with life. The progressive movement shed light on the bitter realities of society and presented the problems of the working and middle class to the people. Of particular importance to the progressive movement was the realism movement, in which many fiction writers came to the fore. The progressive movement attracted Urdu fiction to social realities. In their stories, these fiction writers made the sorrows, pains, worries, ignorance, superstitions and class contradictions of their time the subject. Instead of covering up the realities of life, the novelists of the progressive movement began to consider it their art to express these facts. The fiction of this period not only matured technically but also adopted realism. Among the tendencies of the progressive movement was that they considered literature as the mouthpiece of life and the main purpose of literature was to recognize the realities of life. The progressive movement had given full religious freedom, there was no restriction on religion, but there was a restriction, so that nothing could be said against the freedom of the homeland. The work of literature should be only preaching of faith, literary point of view and literature for life. This movement made a new name in the history of Urdu literature. Qasmi's status was unique from other progressives. He was against human society, economic and financial inequalities. He was in favor of giving equal rights to all. Ahmad Nadeem Qasmi

was against the scholars who used the slogan of literature for literature but they used the slogan of literature for life by linking them with human and social relations. Qasmi used to say that one class should not rule over another class, the powerful should not oppress the oppressed; the system of justice should be established. He never went to the extent of deviating from God and religion. Ahmad Nadeem Qasmi also belonged to the progressive movement. He was the secretary general of this movement. The ideas of the progressive movement are evident in his novels "Alhamdulillah", "Sanata", "Red Hat", "Evolution" and "Shroud Burial.

**KEYWORDS:** Human society, Class Conflict, Fiction, Realism, Superstitions, Contradictions.

**کلیدی الفاظ:** انسانی معاشرہ، طبقاتی کشمکش، افسانہ، حقیقت پسندی، توہمات، تضادات۔

بیسویں صدی میں ایک ایسی تحریک کا آغاز ہوا جس نے اُردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے ادب کے دھارے کو نئی سمت عطا کی۔ ترقی پسند تحریک نے اردو وادب کو نئی اور جدید جہتوں سے روشناس کروایا۔ احمد ندیم قاسمی کا تعلق ترقی پسند تحریک سے پاکستان بننے کے بعد ہوا۔ ذہنی طور پر وہ اس تحریک سے اپنی زندگی کی ابتداء ہی سے شامل تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قاسمی کا دل دکھی انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے بچپن ہی سے انسانیت کی تذلیل ہوتی دیکھی تھی۔ وہ معاشرے کے طبقاتی فرق سے شروع ہی سے نالاں تھے، کیونکہ احمد ندیم قاسمی کا تعلق پیروں کے خاندان سے تھا۔ لہٰذا وہ مذہب کے نام پر سادہ لوح عوام کا استحصال ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے بعد نوجوان ادیبوں کی جو جماعت انگریزی تعلیم کے بہرہ ور تھے انھوں نے مغرب کے ترقیافتہ معاشرے کے اقدار کو اپنانے کی کوشش کی۔ ان نوجوانوں میں سجاد ظہیر اور ان کے ساتھی شامل تھے۔ جنھوں نے اپنے خاص نظریے کے حامل ادیبوں کی ایک تنظیم بنائی اور اسے ''انجمن ترقی پسند'' کا نام دیا۔ جس وقت اس تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تب احمد ندیم قاسمی کی عمر ۲۰ سال تھی۔ شہزاد منظر اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''احمد ندیم قاسمی نے لڑکپن اور جوانی میں ہی انسانیت کو اپنی آنکھوں سے ذلیل ورسوا ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور انسان کی مظلومیت اور دکھ درد کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا۔ چنانچہ اُن میں چھوٹی عمر سے طبقاتی شعور پیدا ہو گیا اور انھیں

معاشرے کے تضاد اور طبقاتی فرق نے ضرورت سے زیادہ اور وقت سے قبل حساس کر دیا تھا"(۱)

احمد ندیم قاسمی نے اپنی زندگی کے دو تلخ حقائق ۱۹۳۲ء میں جب آپ کے چچا پیر حیدر شاہ کا انتقال ہوا اور ۱۹۳۵ء میں بی۔اے کے بعد انھیں چار سال طویل عرصے بے روزگاری میں گزارا، اُس دور میں احمد ندیم قاسمی ترقی پسند تحریک کے خیالات سے متاثر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس دور میں انھوں نے زندگی کے بہت سے تجربات اور مشاہدات کا قریب سے اندازہ لگایا۔ حالات کے خلاف بے اطمینانی کا اظہار ہی ان کی ترقی پسندی کا خاصہ سمجھی جاتی تھی۔ ایک طرف جان سے زیادہ محبت کرنے والے چچا اور دوسری طرف ملازمت کے لیے خواری ان کی ذہنی سطح کو کہیں دور لے جاتی تھی۔ اس مایوسی اور بے چینی کا اظہار ہی ان کو ترقی پسند کی طرف لے جاتی ہے۔ شہزاد منظر لکھتے ہیں:

"اُس دور میں احمد ندیم قاسمی ترقی پسند خیالات سے کس طرح متاثر ہوئے۔ زندگی کے تلخ حقائق کا کس طرح علم ہوا۔ اس کا اندازہ اُن کے ان تجربات اور مشاہدات سے ہوتا ہے جو انھوں نے اُس دور میں حاصل کیے"(۲)

۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء کا دور ہندوستان کی سیاسی بیداری کا دور تھا۔ اس دور نے مختلف تحریکوں کے ادیبوں کو متاثر کیا۔ مختلف دانشوروں نے اپنی رائے کا اظہار کھل کر کیا۔ ایسے میں قاسمی کے ہاں بھی جو "ترقی پسندی" پائی جاتی ہے، وہ یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ وہ ابتداء میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان اور اختر شیرانی کے افکار و خیالات سے متاثر ہوئے۔ ترقی پسند تحریک حقیقت میں اقبال اور حالی کی اصلاحی تحریک کی ہی ایک نئی اور ترقییافتہ شکل تھی۔ اس دور کے ادیب و شاعر نے جو کہ پہلے سے ہی اس تحریک سے متاثر تھے۔ بعد میں انھوں نے ترقی پسند تحریک کو ذہنی طور پر قبول کر لیا۔ ان میں احمد ندیم قاسمی بھی شامل تھے۔ انھوں نے اس تحریک کو فکری طور پر قبول کر لیا کیونکہ اُن کا ذہن پہلے ہی اُس لیے تیار تھا لہٰذا اس تحریک سے قاسمی کا جھکاؤ ایک فطری عمل تھا۔ سردار جعفری کہتے ہیں:

"یہ تمام چیزیں ترقی پسند ادب کے ساتھ کچھ اس طرح مل گئیں کہ ہر نیا ادب ترقی پسند قرار دیا گیا اور ہر نئی تحریر ترقی پسند ادب کا نمونہ نیا ادب اور ترقی پسند ادب ہم معنی الفاظ ہو گئے"(۳)

احمد ندیم قاسمی کی ترقی پسند ادبیوں سے متاثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بنیادی طور پر ''انسان دوست تھے''۔ انسان دوستی ہی وہ پہلو تھی جو اس ادبی تحریک کا خاصہ تھی۔ کیونکہ اس تحریک کا کام ہی انسان کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت کا احساس دلانا تھا۔ قاسمی نہایت ہی نرم دل انسان تھے۔ وہ انسانیت پر ظلم ہوتا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس تحریک کا مقصد ہی انسان کو انسانیت کے درجے پر فائز کرنا تھا لہذا قاسمی اس تحریک سے فکری طور پر وابستہ ہوئے اور انھوں نے ترقی پسند مصنفین کا مشورہ قبول کرتے ہوئے اس تحریک میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ اس میں احمد ندیم قاسمی فکری طور پر اس تحریک سے بہت پہلے ہی وابستہ ہو چکے تھے لیکن شعوری طور پر اس کا اثر ۱۹۴۶ء کے بعد ہوا یعنی غیر شعوری طور پر ان کے اندر ترقی پسندی ۱۹۴۶ء سے پہلے ہی موجود تھی لیکن تبدیلی کے انقلاب کا تصور اُن میں ۱۹۴۷ء کے بعد واضح طور پر ہونا شروع ہوا۔ سحر انصاری لکھتے ہیں:

> ''ترقی پسند تحریک سے احمد ندیم قاسمی کی وابستگی کا سب سے بڑا محرک ان کی انسان دوستی ہے۔ ابتداء ہی سے ان کے ہاں انسان کا احساس اور تقدیرِ آدم کا ادراک نمایاں ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول انسان کو اس کی عظمت گم شدہ سے ہم کنار کرنا اور تقدیر آدم کے رموز کو فاش کرنا ہے اس لیے احمد ندیم قاسمی کی اس سے وابستگی فطری تھی''(۴)

قاسمی اوائلِ شباب میں ہی اس تحریک سے وابستہ ہو گئے اور پھر آہستہ آہستہ اس تحریک کے سر گرم رکن بن گئے۔ انھوں نے اس تحریک کے زیر اثر اپنا بہت سا ادب تخلیق کیا۔ ''آس پاس'' اور ''در و دیوار'' کے افسانے ''اُفق''، ''ارتقا''، ''چڑیل''، ''جب بادل امڈے''، ''ووٹ'' اور ''کہانی لکھی جا رہی ہے'' سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ قاسمی نے شعوری طور پر ترقی پسندی کو اپنا لیا۔ ترقی پسند مصنفین نے منشور ان کے لیے نیا نہیں تھا بلکہ یہ وہ منشور تھا جو کہ ان کی طبیعت سے مطابقت رکھتا تھا۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں طبقاتی کشمکش، معاشی حقائق کی عکاسی، حالات کی سختی کا احساس، رومان اور حقیقت نگاری کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے لیے معاشی نظام کی تبدیلی کی تمنا کی۔ قاسمی کے افسانوں میں انقلابیت اور رومانونیت نظر آتی ہے۔ شہلا شکور کہتی ہیں:

> ''ندیم جذبات کی کشمکش کو نمایاں کرنے یا معتدل بنانے کے لیے فطرت کی شادابی اور حسن کا سہارا لیتے ہیں اور اس لیے کہ فطرت کا حسن انسان کے فن کی تکمیل

بھی کرتا ہے اور اس کو قوت متخیلہ بھی عطا کرتا ہے اور ساتھ ہی فطرت انسان کے فطری اور انسانی جذبات کو نکھارتی ہے۔ فطرت اور ماحول کییہ شاعرانہ عکاسی افسانے میں جگہ جگہ نظر آتی ہے"(۵)

احمد ندیم قاسمی اپنی سوچ اور قلم کی طاقت سے اس نظام کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ انھوں نے غربت وافلاس کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس لیے وہ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تھے۔ وہ اس نظام کی سفاکی کو محسوس کرتے تھے۔ اس دور میں ترقی پسند ادب ہندوستان میں انقلاب لانے کی سوچ رکھتا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے قلم کی طاقت سے برصغیر میں انقلاب لے آئیں گے۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں منعقدہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی کل پاکستان کانفرنس میں احمد ندیم قاسمی کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ انھوں نے اس عہدے کو بخوشی قبول کیا۔ وہ اس انجمن کے واحد ادیب تھے جو شروع دن سے ہی اس تحریک کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس تحریک کے لیے بہت سی تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کیں۔ اس انجمن کے جنرل سیکرٹری منتخب ہونے کے بعد انھوں نے نہایت خلوص اور لگن کے ساتھ اس کے تنظیمی کام کرنے شروع کیے۔ احمد ندیم قاسمی راسخ العقیدہ ترقی پسند تھے۔ وہ پرخلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اس تحریک کے لیے کام کرتے رہے، البتہ ترقی پسند فکر ان کے ہاں ادبی زندگی کے آغاز سے ہی موجود تھی۔ شہزاد مظہر لکھتے ہیں:

"وہ اگرچہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بانیوں میں سے نہیں ہیں اور نہ انھوں نے قیامِ پاکستان سے قبل ترقی پسند مصنفین کی تنظیم میں عملی طور پر حصہ لیا ہے اس کے باوجود ترقی پسند تحریک کے آغاز سے اس سے ذہنی طور پر وابستہ ہیں اور انھوں نے اپنی (ادبی) زندگی کی ابتداء میں ہی اس تحریک سے گہرا اثر قبول کیا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ احمد ندیم قاسمی کی ادبی زندگی اور ترقی پسند تحریک ساتھ ساتھ شروع ہوئی اور پروان چڑھی۔"(۶)

احمد ندیم قاسمی سماجی انقلاب پر یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی بھی ڈر کر یا دباؤ میں آ کر کام نہیں کیا۔ جب انھیں محسوس ہوا کہ برصغیر کے مسلمان جنھوں نے ایک الگ وطن بنانے کے لیے جدوجہد کی تھی انھیں وہ محنت وصول نہیں ہو رہی تو آپ نے تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انقلاب کا نعرہ بلند کیا۔ اس وجہ سے قاسمی کو کئی بار قید وبند کیصعوبتیں بھی اٹھانی پڑی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک نئی صورت حال میں ترقی پسندوں سے کچھ کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔

ان پر فتویٰ بھی لگے لیکن قاسمی نے ان کوتاہوں کا سامنا نفسیاتی سیاق و سباق میں حقیقت پسندی کے ساتھ کرتے ہوئے ان کوتاہیوں کو قبول کیااور اپنی اصلاح کی۔

قاسمی غیر متوازن کیفیت کا شکار کبھی نہیں ہوئے بلکہ متوازن رویہ اختیار کیا۔ انھوں نے نچلے طبقے کے مسائل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طبقے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ افسانہ ''مشورہ'' میں اسی قسم کے اعلیٰ طبقے کے مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ نچلے طبقے کے مسائل توان کے اپنے مسائل تھے۔ اُن کے دکھ قاسمی کے اپنے دکھ تھے۔ انھون نے افسانے ''راجے مہاراجے''، ''زلیخا''، ''موچی''، ''بدنام''، ''بھاڑا''، ''سلطان''، ''شیش محل''، ''اصول کی بات''، ''ثواب''، ''قرض''، ''لارنس آف تھیلبسیا''، ''پہاڑوں کی برف''، ''سفارش''، ''نیلا پتھر''، ''جوتا''، ''ایک ایک لباس آدمی''، ''شکنیں''، ''ٹریکٹر''، ''چھلی''، ''اخبار نویس'' میں نچلے طبقے کے مسائل پیش کیے۔ محمد عباس طوروی لکھتے ہیں:

> ''یہاں ترقی پسند رجحانات بہت نمایاں ہیں، خصوصاً طبقاتی کشمکش تو بہت زیادہ نمایاں ہے اتنی کہ بعض اوقات ندیم اس انتہا پسندی کے شکار نظر آنے لگتے ہیں''
> (۷)

احمد ندیم قاسمی کی ذات جن اعتراضات کا باعث بنی، وہ یہ تھی کہ ان ترقی پسند ادیبوں سے مختلف تھے جنھوں نے ترقی پسندی کو ایک فیشن کے طور پر قبول کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اشتراکیت کو بنیاد بنا کر خدا اور دیگر مذہبی عقائد سے منکر ہو گئے تھے۔ قاسمی ان سب سے مختلف شخصی کردار ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی شخصیت متنازعہ ہو گئی تھی۔ حالانکہ احمد ندیم قاسمی پاکستان ترقی پسند تحریک کے جنرل سیکرٹری تھے۔ لیکن ان کے انقلاب کے خواب ان سب ترقی پسندوں سے بالکل مختلف تھے جو کہ اس تحریک میں شامل تھے۔ احمد ندیم قاسمی کی شخصیت ایسے سکہ بند ترقی پسندوں کی نہیں تھی جو صرف نعرے بازی اور انکار و کفر کی منزلوں کو طے کرتے ہیں۔ قاسمی کی اپنی منفرد شناخت بھی جو کہ اِن کے افکار و خیالات کی وجہ سے تھی۔

سب سے بڑی وجہ جو قاسمی کی انفرادیت بھی وہ ان کا مذہب سے لگاؤ تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ وراثت میں ملنے والے مذہبی عقائد اور اپنے چچا کی تربیت کا ایک حصہ تھی۔ اس کے علاوہ اقبال کا مطالعہ بھی ان کے اندر مذہب کے جھکاؤ کو بڑھاتا چلا گیا۔ اس وجہ سے وہ ترقی پسند ہو کر بھی مذہب سے اپنا ناتا نہ توڑ سکے۔ احمد ندیم قاسمی مذہبی سوچ کے مالک تھے اور اسلام دوستی ان کا محورِ حیات تھی۔ وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے سچی محبت کرتے تھے۔ قاسمی نے اپنے آپ کو ایسا کمیونسٹ

نہیں کہلایا جو مذہب کو بالکل رد کر دے۔ انھوں نے اپنی مذہبی فکر کی وجہ سے مارکس کی تعلیمات کو نہیں اپنایا، اور اپنی انفرادی حیثیت برقرار رکھی۔ وہ خدا اور مذہبی عقائد سے رو گردانی نہیں کرتے تھے۔ احمد ندیم قاسمی کٹر مذہبی تو نہ تھے لیکن بڑے فراغ دل مسلمان تھے۔ اور ہر نیک دل انسان کو اپنے سینے سے لگانے کے لیے تیار تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا مذہب ہی میری ترقی پسندی ہے اور اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے جس نے امیر غریب گورے کالے اور عربی عجمی کی تفریق کو ختم کر دیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

> ''اس صورت میں میری مذہبیت اور میری ترقی پسندی کے ضمن میں احباب کا تذبذب اور گومگو میں مبتلا ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا ترقی پسندی کے لیے کافری ضروری ہے؟ کیا ترقی پسند کہلوانے کے لیے کمیونسٹ ہونا ضروری ہے؟ یقیناً نہیں، پھر یہ تذبذب چہ معنی دار؟''(۸)

سجاد ظہیر اور دوسرے ترقی پسند دوستوں کو آپ سے کچھ شکایات ہیں۔ سجاد ظہیر جو کہ کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ تھے وہ ''انڈر گراؤنڈ'' ہو گئے۔ انھوں نے ایک خط کے ذریعے قاسمی کو پیغام بھیجا کہ آپ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر ہو جائیں قاسمی نے اس خط کے بدلے میں جواب دیا کہ خدا کی واحدنیت اور اس کے رسول پاکؐ پر ایمان رکھتے ہوئے کمیونسٹ کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ بقول قاسمی کے وہ انجمن کے منشور کے پابند ہیں نہ کہ کمیونسٹ کے مینوفیسٹو کے۔ یہ قاسمی کے ایمان کی کاملیت تھی کیونکہ خدا اور اس کے رسولؐ کے منکر نہیں ہو سکتے تھے۔ قاسمی نعت گوئی بھی کرتے تھے جو کہ اس بات کی گواہی تھی کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ قرۃ العین طاہرہ کے ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

> ''ایک مذہبی گھرانے سے تعلق اور ترقی پسند ادب کی تحریک سے وابستگی کے درمیان مجھے کوئی تضاد محسوس نہیں ہوا۔ اسلام دنیا کا ''ترقی پسند ترین'' مذہب ہے۔ ملائیت کے مذہب سے الگ، سادہ اور سچا مذہب ہے اور میری ترقی پسندی نے بیشتر قرآن و حدیث اور حضورؐ کے اسوہ حسنہ سے اسپیریشن حاصل کیا ہے''(۹)

لیکن ان سب کے باوجود احمد ندیم قاسمی ترقی پسند تحریک کے ایک بڑے عہدے پر قائم رہے۔ وہ اس تحریک کے لیے بہت پرجوش تھے۔ انھوں نے اس تحریک کو آگے بڑھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جلسے جلوس کیے، احتجاج کیے اور

جیل بھی گئے لیکن اپنے آپ کو ترقی پسند کہلوانے کے لیے کبھی بھی منکر خدا نہیں ہوئے۔ان ہی باتوں کی بناء پر کمیونسٹ ان کی ترقی پسندی پر ہمیشہ سے شبہ کرتے رہے۔

قاسمی کی حیثیت دوسرے ترقی پسندوں سے منفرد تھی۔ وہ انسانی سماج، اقتصادی اور معاشی ناہمواریوں کے خلاف تھے۔ وہ سب کو مساوی حقوق دینے کے حق میں تھے۔ احمد ندیم قاسمی ایسے علم برداروں کے خلاف تھے جو ادب برائے ادب کا نعرہ لگائے ہوئے تھے بلکہ وہ انھیں انسانی اور سماجی رشتوں سے جوڑتے ہوئے ادب برائے زندگی کا نعرہ لگاتے تھے۔ قاسمی کہتے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے پر حاکم نہ ہو، طاقتور کسی مظلوم پر ظلم نہ کرے، عدل کا نظام قائم ہو وہ کبھی بھی خدا اور مذہب سے منحرف ہونے کی حد تک نہیں گئے۔ وہ ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے جو جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی لوٹ گھسوٹ سے اور طبقاتی استحصال سے پاک ہو، جہاں تمام انسان سماجی اور مساوی حیثیت کے حامل ہوں۔ قاسمی کی نظر ایسے معاشرے کی تشکیل تھی جس میں غربت اور بے روزگاری نہ ہو۔ایک طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال نہ کر سکے، پیسے کی تقسیم مساوی ہو اور عدل کی برتری معاشرے میں قائم ہو۔احمد ندیم قاسمی معتدل ترقی پسند شخصیت کے مالک تھے۔ وہ انسانی مساوات پر مبنی نظام معیشت چاہتے تھے۔ایک انٹرویو میں بالکل واضح کہتے ہیں:

> ''ترقی پسند تحریک کی معاشی ناہمواریوں کے خلاف جدوجہد سے میں بہت متاثر ہوا اور اس سے میرے مذہبی عقائد پر کوئی زد بھی نہیں پڑی تھی۔ میں نے اس کی رکنیت کو قبول کیا۔اس کے عہدے پر فائز رہا اور میں آج بھی کہتا ہوں کہ میں ترقی پسند ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ سیاسی ترقی پسند نہیں''(۱۰)

احمد ندیم قاسمی اپنے وطن پاکستان سے بے حد محبت کرتے تھے۔انھوں نے قیام پاکستان کے لیے بہت جدوجہد کی لیکن جب پاکستان تعمیر ہوا اور جو خواب انھوں نے دیکھا تھا پورا ہوتا نظر نہ آیا تو آپ نے نظریاتی طور پر قیام پاکستان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ترقی پسند ادیبوں نے آزادی کا جو تصور قائم کیا وہ انھیں پورا ہوتا نظر نہ آیا۔ یہ ملک نوکر شاہی اور غلط قسم کے سیاستدانوں کے ہاتھ آ گیا۔ قاسمی نے محسوس کیا کہ جس ملک کی خاطر اتنی قربانیاں دی گئیں تو یہ مسلم لیگی رہنما قائداعظم کی زندگی میں ہی اقتدار کے متعلق دھینگا مشتی شروع کر بیٹھے ہیں۔یہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں اور زمینوں کے الاٹ منٹ کے چکروں میں پڑ چکے تھے۔ حصولِ پاکستان کے مقصد کو رول دیا گیا تھا، لوگ اپنی ذاتی صفات کو اہمیت دینے لگے تھے۔ معمولی کاروبار کے حامی لوگ ٹیکسٹائل ملوں کے مالک بن بیٹھے تھے۔ان حالات میں پاکستان کا تحفظ مشکلات کا شکار ہو

گیا تھا۔ لوگوں میں مایوسی اور ناامیدی پھیل گئی تھی۔ اول اول قاسمی نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر پاکستان کے قیام کے خلاف خوب آواز بلند کی مگر بعد ازاں ان سے الگ راہ اپنالی۔ وہ پاکستان کو اپنا وطن تسلیم کرتے اور پاکستان سے دل و جان سے محبت کرتے تھے۔ یہ محبت کا جذبہ اِن کی تحریروں میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حمید احمد خان جیسے قد آور نقاد نے ''افکار'' کے ندیم نمبر میں ندیم کی حب الوطنی کی اس طرح تعریف کی ہے:

> ''اشتراکی ملک کے ادیب انفرادیت پسند نہیں ہیں لیکن ان کا اجتماعی احساس پاکستان کی تہذیبی روایت سے وابستہ نہیں رہا اس فہرست میں بڑے بڑے نام آتے ہیں۔ لیکن انسان کی معاشی بہبود پہلے والہانہ لگاؤ رکھتے ہوئے بھی ہمارے یہ شعراء پانی قومیت اور پاکستان کی تہذیبی روایت سے الگ رہتے ہیں چنانچہ ان کے شعر میں ضمیر متکلم کا شمار علیہ قوم کے اندر نہیں، واضح طور پر قوم کے عمرانی و جغرافیائی حدود کے باہر ہوتا ہے، احمد ندیم قاسمی اس ضمیر جمع متکلم کو دوبارہ پاکستان کی قومی اور جغرافیائی حدود کے اندر لے آئے ہیں۔ وہ ایک ترقی پسند ادیب ضرور ہیں، لیکن ان کی ترقی پسندی پاکستانی روایت کی ہم نوا ہے۔ یہ ایک کارنامہ ہے جس کے لیے پاکستانی ادب کی تاریخ قاسمی صاحب کو شکریئے سے یاد رکھے گی''(۱۱)

ترقی پسندوں کے ماضی کے خیالات کے بارے میں بھی قاسمی اختلافِ رائے رکھتے تھے۔ ترقی پسندوں کا خیال تھا کہ ماضی کی روایات کو بالکل ترک کر کے ایک ارتقاء پذیر معاشرے کا قیام ہونا چاہیے جس میں ماضی کی تہذیب و ثقافت کا کوئی بھی تعلق نہ ہو۔ لیکن قاسمی کے نظریات ان سے مختلف تھے۔ وہ ماضی کی پرستش اور کریدنے کی روایت کے خلاف تو تھے لیکن ایسے اقدام جو انسانیت کو نکھارنے میں مدد دیں ان کو یک دم بھلا دینے کو حماقت سمجھتے تھے۔ قاسمی کے خیال میں ماضی کی تمام روایات کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایسی روایات کو زندہ رہنا چاہیے جو ہر قسم کے حالات میں انسان کے لیے معاون ثابت ہوں۔ قاسمی انسانیت کے نکھار کی بات کرتے تھے۔ وہ معاشرتی روایات میں تبدیلی اور معیارات کو خوب جانچتے تھے۔ ان کے خیال میں ماضی کی روایات میں کچھ تبدیلیاں وقت کے ساتھ ساتھ کی جا سکتی ہیں۔ احمد ندیم قاسمی روایت شکن نہیں بلکہ ان کو قبول کرنے کے حق میں تھے۔ ''پس الفاظ'' میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''کوئی بھی ماضی مکمل طور پر اپنی پوری جزئیات کے ساتھ قبول نہیں ہوتا۔ زندگی جامد نہیں ہے یہ ایک نامیاتی حقیقت ہے اور جب زندگی آگے بڑھتی ہے تو انسانی ذہن کو اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھتی ہے بلکہ بعض صورتوں میں تو انسانی ذہن، زندگی کی رفتار میں تیزی پیدا کرتا اور اس کی رہنمائی کرتا ہے اس صورت میں ماضی پورے کا پورا قابل قبول نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیے، ورنہ پوری قوم جمود کا شکار ہو جائے البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ پورے کے پورے ماضی کو رد نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ہمیں ایک صحت مندانہ تنقیدی قوت کی مدد سے ماضی کی حقیقتوں کو رد نہیں روایتیں کہہ لیجئے پرکھنا ہوگا''(۱۲)

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک کا دور ترقی پسند ادب میں انتہا پسندی کا دور تھا۔ اس دور میں ترقی پسند ادیبوں نے اپنے ادب کے ذریعے عوام کو قریب لانے کی کوششیں جاری رکھیں اور ادب کو عوامی اور اشتراکی بنانے میں لگے رہے۔ بعض ادبا اس عوام دوستی میں کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئے اور کسی قدروں اور نزاکتوں کا بھی لحاظ روانہ رکھا۔ قاسمی پر بھی نظریاتی تنگ نظری اور انتہا پسندی کے اثرات مرتب ہوئے لیکنیہ اثرات نسبتاً باقی ترقی پسندوں سے کم تھے۔ دوسرے ترقی پسندوں کی طرح قاسمی کسی خونی انقلاب کی بات نہیں کرتے تھے بلکہ ایسا انقلاب جو معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لے کر آئے وہ غریب کے استحصال کا خاتمہ چاہتے تھے لیکن اس کے لیے سرخ انقلاب کے حامی نہیں تھے۔ قاسمی کا نظریہیہ تھا کہ انقلاب نظام عالم کو ارتقائی مظہر دیتا ہے۔ وہ ترقی پسند ہونے کے باوجود بغاوت نہیں چاہتے تھے بلکہ انسانی ترقی چاہتے تھے۔ یہی چیز قاسمی کے ہاں رجائیت کے پہلو کو واضح کرتی ہے۔ قاسمی کے ہاں انقلاب زبردستیبا مسلط کیے جانے کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں تو انقلاب نظام عالم کا ایک ایسا ارتقائی مظہر ہے جسے بہر صورت آنا ہی آنا ہے۔ قاسمی ترقی پسندی کو بغاوت پر تعبیر نہیں کرتے تھے۔ قاسمی کی نظر میں انقلاب کا نعرہ لگانے اور محنت کشوں کو ہتھیار دے کر سڑکوں پر نکل آنے کی دعوت دینے کے بجائے بڑے تحمل سے انقلاب کے منتظر ہیں جس نے فطری طور سے اس منجمد معاشرے میں وقوع پذیر ہو کے رہنا ہے تاکہ معاشرے کی تاریخ آگے بڑھ سکے۔ عباس احمد طوروی لکھتے ہیں:

''انقلاب کی خواہش بھی ندیم کے ہاں ویسی نہیں جو ترقی پسندوں کا خاصا رہی ہے۔ جس انقلاب کے لیے وہ لوگ دیوانے ہو رہے تھے وہ انقلاب ندیم کی

امیدوں کا مرکز نہیں بنتا۔ ندیم انقلاب کے خواہش مند ضرور تھے اور معاشرے میں
انقلابی تبدیلیاں لانے کے داعی بھی تھے مگر وہ سرخ انقلاب کے حامی نظر نہیں آتے،
سماجی لحاظ سے وہ طبقاتی نظام اور غریب کے استحصال کا خاتمہ تو چاہتے تھے مگر سرخ
پھریرا لہرا کر تاج اچھالنے کے حق میں نہیں تھے"(۱۳)

احمد ندیم قاسمی کا تعلق قلبی طور پر اس تحریک سے آخر تک وابستہ رہا۔ دیگر ترقی پسندوں نے اپنے مفادات کی خاطر اس تحریک کے مقاصد کو پسِ پشت ڈال دیا لیکن قاسمی نے اپنے نظریات سے دستبردار نہ ہوئے۔ ان کا فن محض پروپیگنڈہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے اپنی زندگی میں دوسرے موضوعات کے ساتھ ترقی پسندی کو بھی زندہ رکھا۔ ان کے افسانوں کے آخری مجموعے "محبوب"، "سیکرٹری"، "چاچا چوکھا رام" اس بات کا ثبوت تھے کہ ان کی نظریاتی وابستگی اس تحریک کے ساتھ ہے۔

ترقی پسند تحریک پر حکومت وقت نے پابندی لگا دی۔ اُس وقت قاسمی اس انجمن کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ان کے مطابق یہ پابندی انجمن پر نہیں لگی بلکہ لیاقت علی خان نے اسے سیاسی قرار دے دیا۔ جس کے بعد رفتہ رفتہ یہ انجمن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ ترقی پسندوں کے اندر بے چینی اور خوف طاری ہو گیا۔ ان پر بین لگ گئے۔ وہ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ ان کی نوکری بھی نہ جاتی ہے اس لیے وہ انجمن کے کسی کام میں آگے نہ بڑھے۔ آہستہ آہستہ اس تنظیم کا شیرازہ بکھر گیا۔ ۱۹۵۴ء میں احمد ندیم قاسمی نے اس انجمن کے جنرل سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ اس انجمن کا خاتمہ ہو گیا بلکہ اس لیے کہ اس انجمن کی کوئی بھی شاخ کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی اور آکر اس ذمہ داری کو سنبھالے اور وہ عام ورکر کی طرح کام کریں لیکن کوئی بھی اس کو اب سنبھالنے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ ترقی پسند تحریک کے اختتام کے متعلق بھی ندیم کا رویہ دوسرے ترقی پسندوں سے الگ رہا۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ یہ تحریک ختم ہو گئی بلکہ اس تحریک سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"مجھے آپ سے اتفاق نہیں کہ "تحریک"، ختم ہو گئی، تحریک ختم نہیں ہوئی، تنظیم ختم
ہوئی ہے، انجمن ختم ہوئی ہے"(۱۴)

اس تنظیم کے خاتمے کی اصل وجہ بعض ترقی پسندوں کی انتہا پسندی تھی۔ ترقی پسندوں کی انتہا پسندی نے اس تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ مصنفین کی گرفتاری کی بناء پر اس تحریک کو زیادہ دھچکا لگا۔ احمد ندیم قاسمی نے رجائیت

سے اپنا ناطہ توڑا وہ ترقی پسندی کو کسی صورت تائب ہونے کو تیار نہ تھے۔ انھوں نے حکومت سے نہ کوئی انعام مانگا اور نہ ہی ملازمت حاصل کی اور نہ ہی جبر کے سامنے سر جھکایا۔ اس سلسلے میں انھیں کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ اپنے عقائد سے ایک انچ نہ ہلے۔ قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''ندیم ترقی پسند تحریک کے ایک سرگرمی اور ممتاز رکن رہے لیکن مجھے اکثر محسوس ہوا کہ وہ اتنا بڑا ترقی پسند نہیں جتنا بڑا فنکار ہے اگرچہ مجھے شک ہے کہ ترقی پسند سے وابستگی بھی پریم چند کی طرح ان کی اپنی دریافت ہے''(۱۵)

انجمن کے خاتمے کے بعد بھی ندیم کی فکر پہلے سے بھی کشادہ فضا میں داخل ہونے لگی تھی۔ ان کے تخلیقی دھارے میں پہلے سے زیادہ تنوع آ گیا تھا۔ ان کے ادبی دھارے میں زندگی اور دنیا کے ہزارہا پہلو شامل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کا قلبی تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا۔ انھوں نے حالات سے مفاہمت کرتے ہوئے اس تحریک کے مقاصد کو پسِ پشت نہ کیا۔ قاسمی کا اس غریب سے تعلق زندگی کے آخری دنوں تک قائم رہا۔ ان کے موضوعات کی وسعت سے اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ اس تحریک کے نظریات سے دستبردار ہو گئے بلکہ ایک بڑے فنکار کے فن کا یہ فطری ارتقاء ہے۔ قاسمی نے محض تحریک کے مقاصد و نصب العین ہی کو فروغ دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہر اُس موضوع پر قلم اٹھایا جس نے ان کے احساس و شعور پر کوئی نقش چھوڑا تھا۔

احمد ندیم قاسمی نے اس تحریک اور اس کے مقاصد کے ساتھ اسی لگاؤ کی بنا پر قاسمی نے اپنی زندگی کے آخر تک ترقی پسند تحریک اور اس کے نظریات کا دفاع کیا۔ اور جہاں کہیں کسی نے بھی اس تحریک کے خلاف کوئی بات کی، انھوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> ''ندیم کا کارنامہ فن ترقی پسند نظریہ ادب سے اٹوٹ وابستگی سے عبارت ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک جب بھی اور جہاں کہیں بھی ترقی پسند نظریہئ ادب پر حملہ ہوا۔ ندیم نے بڑھ کر اس حملے کو روکا، ترقی پسند تحریک کے منتشر ہو جانے کے بعد تو ندیم وہ واحد ہستی ہیں جنھوں نے بے مثال ثابت قدمی سے اس نظریہئ ادب کا دفاع اور تفسیر کی ہے''(۱۶)

احمد ندیم قاسمی اس تحریک سے عمر بھر وابستہ رہے۔ وہ اپنے نظریات سے دستبردار نہ ہوئے۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کی خدمت خلوص دل کے ساتھ کی۔ قاسمی نے ہمیشہ صداقت کو اپنے پیش نظر رکھا اور یہی تلاش انھیں ترقی پسند تحریک کی طرف لے گئی۔ ۱۹۷۴ء میں احمد ندیم قاسمی نے مجلس ترقی ادب کی صدارت سنبھالی۔ اپنے علمی و ادبی مرتبے کے لحاظ سے وہ اس عہدے کے حق دار تھے۔ قاسمی نے اپنی زندگی کے آخر تک ترقی پسند تحریک کے نظریات کا دفاع کیا۔ اس تحریک سے قاسمی کا لگاؤ فطری تھا کیونکہ وہ بھی ایسے ہی رجحان کے مالک تھے۔ قاسمی اپنے رجحان کے باعث اس تحریک کی طرف مائل ہوئے اور اس کے نظریات کے ساتھ وابستہ رہے۔ احمد ندیم قاسمی کی تحریک سے وابستگی اس تحریک کے مفاد میں رہی کیونکہ ایسے باشعور ادیب اس تنظیم کے سرگرم رکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔

## حوالہ جات


۱۔ شہزاد منظر، ندیم اور ترقی پسند تحریک، مشمولہ افکار، ماہنامہ، ندیم نمبر، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۵۴ء، ص۴۵۹

۲۔ یضاً، ص ۴۶۰

۳۔ علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب (جلد اول)، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۵۱ء، ص ۱۹۳

۴۔ سحر انصاری، دشتِ وفا کا سفر، مشمولہ ''ماہنامہ افکار''، کراچی: ندیم نمبر ۱۹۴۵ء، ص۳۹۶

۵۔ شہلا شکور، احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری، مشمولہ ادبیات، سہ ماہی، اسلام آباد: ، جلد ۷، ۱۹۹۴ء، ص۹۱۷

۶۔ شہزاد منظر، ندیم اور ترقی پسند تحریک، مشمولہ ماہنامہ افکار، ص۴۵۹

۷۔ عباس طوروی، احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی تک، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۴

۸۔ احمد ندیم قاسمی، انٹرویو مشمولہ عالمی اردو ادب مرتبہ نند کشور وکرم، (احمد ندیم قاسمی نمبر)، دہلی، جلد ۱۴، ۱۹۹۶ء، ص ۵۴

۹۔ قراۃ العین طاہرہ، احمد ندیم قاسمی سے انٹرویو، افسانہ نگاری، مکتبہ ڈاکٹر ناہید قاسمی، ص ۳

۱۰۔ جعفر عبداللہ، مصاحبہ بہ عنوان، احمد ندیم قاسمی کے منفرد خیالات (ایک انٹرویو) ازا، مشمولہ ''مونتاج'' سہ ماہی، لاہور: ندیم نمبر، ص۶۱۶

۱۱۔ حمید احمد خاں خط بنام مدیر ''افکار''، مشمولہ ''افکار'' ماہنامہ، کراچی: ندیم نمبر، ص ۳۷

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی ''پس الفاظ'' اساطیر، لاہور، س۔ن، ص ۱۶۰

۱۳۔ عباس طوروی، احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی تک، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۱
۱۴۔ فتح محمد ملک، اردو افسانہ نگاری میں ندیم کا مقام، مشمولہ ''ادبیات'' سہ ماہی، اسلام آباد: ندیم نمبر، جلد: ۱۷، شمارہ ۷۳، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۔۲۹
۱۵۔ قمر رئیس ''افسانہ نگار ندیم''، مشمولہ ''افکار'' ماہنامہ کراچی، ندیم نمبر، ۱۹۵۴ء، ص ۳۶۵
۱۶۔ فتح محمد ملک، احمد ندیم قاسمی، شاعر اور افسانہ نگار'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۳۶